مقدس آنسو





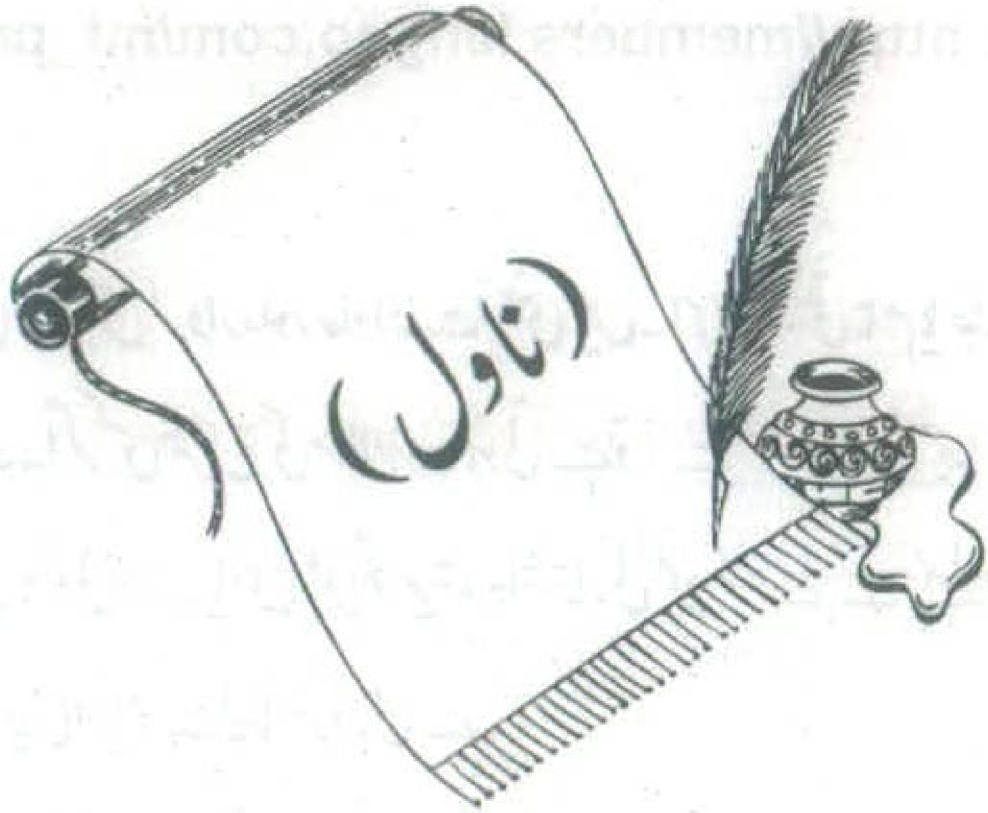
ناول نگار:
سید بلال، سیدہ پور، میدک

Some tears are special... They can melt the heart...

ناشر: ناز بک سپلائی کمپنی، دریاگنج دهلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدس آنسو



ناول نگار: سید بلال، سیدہ پور، میدک

ناشر : نازبک سپلائی کمپنی ' دریا گنج دہلی

نام کتاب : مقدس آنسو (ناول)

ناول نگار : سید بلال

ترتیب : سیدہ تبسم فاطمہ

تعداد کتب : دو ہزار

ناشر : ناز بک سپلائی کمپنی، دریا گنج دھلی۔٦

E-mail : mf_productions@langoo.com
website : http://members.langoo.com/mf_productions

نوٹ :

☆ اس ناول کے سبھی کردار، اور حاداثات فرضی ہیں۔اس کا حقیقی نام یا جگہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اگر کسی طرح کی مطابقت ہوتی ہے تو اُسے محض اتفاق سمجھا جائے گا۔

☆ اس ناول کا کوئی حصہ یا اس میں تحریر شدہ اشعار کی نقل کرنے سے پہلے ناول نگار اور ناشر کی تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔

ناشر:

ناز بک سپلائی کمپنی، دریا گنج دھلی۔٦

انتساب

ایک ایسی شخصیت کے نام جنہوں نے مجھے

علم سے روشناس کروایا۔ جن کے نقشے

قدم پر چل کر میں نے اپنی منزل کو پانے کی

کوشش کی۔ جن کی وجہ سے میں ایک قلمکار

کی حیثیت سے آپ لوگوں سے متعارف ہوں۔

وہ ہیں میرے پیارے آبا جان جن میں ان گنت

خوبیاں تھیں۔



سید بلالؔ

۱۲/۹/۲۰۰۴

عرض ناشر.....

محترم قارئین ! اسلام وعلیکم

ہندوستان میں اُردو ادب میں قلمکاروں کی تعداد بہت کم ہے۔ بس کچھ گنے چنے نام ہیں۔ جن کو ہندوستان میں اُردو ادب میں قابلِ اضافہ کہا جاسکتا ہے۔ ان ہی لوگوں میں ایک نام سید بلالؔ کا بھی ہے۔

سید بلالؔ کی تحریروں میں جہاں تلخ حقیقوں کی تپش ہے وہی انسانی جذباتی احساسات کی شبنم سی ٹھنڈک بھی موجود ہے۔ ان کی تحریروں میں حقیقت کی جھلک ملتی ہے اور خوابوں کی حسین دنیا بھی۔

نازک نازک جذبوں، خوبصورت الفاظ اور پھولوں کی طرح خوب صورت و دلکش رنگوں کا حسین امتزاج اور زندگی کی خوشبو سے بھرپور یہ ناول ''مقدس آنسو'' آپ کو ضرور پسند آئے گی۔

اس سے قبل سید بلالؔ کی کتاب ''یادیں'' اور ''نغمات گل'' بے حد کامیاب اور مقبول رہیں۔ لوگ آج بھی یہ کتابیں بڑے ہی شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس ناول کے بعد اُن کا اگلا شعری مجموعہ بھی انشاءاللہ منظر پر ہوگا۔ اس مجموعے میں بھی بہترین غزلیات ہیں جس کے آپ طلب گار ہیں۔ انتظار کیجئے اس شاندار شعری مجموعے کا جو سید بلالؔ کے قلم سے صفحات تک کا سفر طے کر رہا ہے۔

اگر آپ ہمیں سید بلالؔ کی کتابوں کے بارے میں رائے یا مشورہ دینا چاہتے ہیں تو آپ کے مشوروں کا خاص استقبال ہوگا اور آپ کی رائے مشوروں پر توجہ دی جائے گی۔

ناشر

بشارت صاحب ایک خط پڑھ کر مسکرا رہے تھے کہ نشاط بیگم اُن کے لئے کافی لے آئیں اور مسکرانے کی وجہ دریافت کرنے لگیں۔

’’آپ ہر روز صبح اخبار پڑھا کرتے ہیں۔ آج بے چارہ اخبار میز پر ہی پڑا بور ہو رہا ہوگا۔ صبح صبح یہ ڈاکیہ کس کا خط دے گیا ہے جو آپ پڑھ کر اتنا مسکرائے جا رہے ہیں۔ کیا کوئی خوشخبری ہے؟‘‘

’’ہاں! آپ نے سہی سمجھا۔ میرے پاس زبر دست خوشخبری ہے۔ اگر آپ سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔‘‘ مسکراتے ہوئے بشارت صاحب نے جواباً کہا۔

’’سچ! تو جلدی بتایئے وہ خوشخبری کیا ہے؟‘‘ نشاط بیگم بے چین ہو رہیں تھیں وہ خوشخبری جاننے کیلئے

’’نشاط! زیادہ بے صبر نہ ہو۔ کیونکہ میں یہ خوشخبری آپ ہی کو سنا کر بچوں کو ناراض نہیں کر سکتا‘‘۔ بشارت صاحب نے آہستگی سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

’’تو یہ بات ہے ابھی بچوں کو بلاتی ہوں۔ ساحل اور نائلہ کے آتے ہی آپ ہمیں وہ خوشخبری سنا دیں گے یا ٹال دیں گے اپنی عادت کے مطابق‘‘۔ نشاط بیگم نے بشارت صاحب کو بے چین نظروں سے دیکھا۔

’’آپ کو میری بات پر یقین کیوں نہیں ہوتا نشاط۔ چلیئے وعدہ رہا بچوں کے آتے ہی خوشخبری سنا دوں گا‘‘۔ بشارت صاحب نے وعدہ کیا۔

’’ساحل۔ نائلہ ذرا ادھر آنا‘‘۔ نشاط بیگم خوشی سے ساحل اور نائلہ کو بلانے لگیں۔

پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے وہ دونوں باہر صحن میں آموجود ہوئے۔ بشارت صاحب کے پاس نائلہ بیٹھ گئی۔ اور ساحل نشاط بیگم کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''لیجیے بچے آ گئے۔اب آپ خوشخبری سنا دیجئے''۔

''خوشخبری!امی۔۔۔۔۔ابو کے پاس کیا کوئی خوشخبری ہے؟'' ساحل نے پوچھا۔

''ہاں بیٹے میرے پاس زبردست خوشخبری ہے۔اندازہ لگاؤ کیا خوشخبری ہوسکتی ہے''۔

بشارت صاحب نے مسکراتے ہوئے ساحل سے پوچھا۔

''ابو۔۔۔۔!ضرور آپ نے نائلہ کا رشتہ طے کر دیا ہوگا۔۔۔۔۔؟''

''جی ہاں۔۔۔۔۔!جیسے میری شادی کے اعلاوہ تو کوئی خوشخبری ہو ہی نہیں سکتی۔۔۔۔''

نائلہ نے غصیلی نظروں سے ساحل کو گھورا۔

''تم دونوں چپ کرو اور سنو تمہارے ابو کیا خوشخبری دینے والے ہیں''

''ہاں۔۔۔۔ہاں ابو بتایئے نا۔۔۔۔۔نائلہ ان کے کاندھے سے لگتے ہوئے کہا اور

بشارت صاحب نے خوشی خوشی بتا دیا۔۔۔۔۔

''ہمارا ایقان دو مہینوں کی چھٹیوں پر گھر آ رہا ہے''۔

''بھیا آ رہے ہیں''۔ نائلہ اچھل اچھل کر تالیاں بجانے لگی۔نشاط بیگم اور ساحل کے

چہرے بھی کھیل اُٹھے۔

''کب آ رہا ہے میرا ایقان''۔ نشاط بیگم خوشی سے پوچھنے لگیں۔ ''پرسوں شام کی فلائٹ سے''۔

''اس قدر مختصر مدت ساری تیاریاں کیسے ہوں گی۔۔۔؟'' نائلہ کے چہرے پر فکر تھی۔

''تیاریاں کیسی نائلہ میں کچھ سمجھا نہیں'' ساحل نے نائلہ سے پوچھا۔

''لیجیے۔آپ کو نہیں معلوم بھیا آ رہے ہیں تو کیا ہم گھر کی سجاوٹ نہیں کریں گے۔

دیواروں پر رنگ و روغن نہیں کرائیں گے۔پردے اور فرنیچر نہیں بدلیں گے''۔

''نائلہ۔۔۔۔بھیا اکیلئے آ رہے ہیں۔کوئی بھابھی تو ہے نہیں جو ساتھ لے آئیں''۔

''کیا خبر۔۔۔۔بھیا دلہن ساتھ لے آئیں''۔

''نائلہ چپ کر جو منہ میں آتا ہے بول جاتی ہے''۔نشاط بیگم نے جھڑکا تو نائلہ نے بشارت صاحب

کی جانب دیکھا۔نظروں میں شکایت تھی۔بشارت صاحب نے ہنس کر کہا۔۔۔۔۔

''تم اپنے بھیا کا اچھے سے استقبال کرنا چاہتی ہو تو ایسا کرو کہ اس کا کمرہ اپنے من پسند طریقے سے سجادو''۔

''ساحل بھیا چلیئے چل کر لسٹ بناتے ہیں۔ بھیا کے کمرے میں کیا کیا تبدیلی کرنی ہے۔ اور کیا کیا سامان بازار سے لانا ہے''

''ہاں چلو''۔ نائلہ اور ساحل اندر چلے گئے۔ نائلہ نے کالج کی چھٹی کر دی اور ساحل بھی کلینک نہیں گئے۔ لسٹ کے تیار ہوتے ہی ساحل بازار گئے اور بہت سارا سامان خرید لائے۔ ساحل اور نائلہ ساتھ مل کر ایقان کے کمرے میں نیا صوفہ، نیا بیڈ ڈالوایا، نئے پردے اور دیواروں پر پینٹنگ آویزاں کیں۔ شام تک بیڈ پر بستر اور تکیئے لگا کر کمرے کو نئی شکل دی جا چکی تھی۔

ایک طائرانہ نظر کمرے میں ڈال کر نائلہ نے ساحل سے پوچھا۔

''ساحل بھیا کیسا لگ رہا ہے''۔

''بہت ہی خوبصورت یہ کمرہ تو بھیا کی طرح خوبصورت ہو اُٹھا ہے اور کیوں نہ ہو ہماری نائلہ نے جو سجایا ہے۔'' ساحل نے تعریف کی۔

نائلہ فخریہ انداز میں مسکرائی۔ اس کے بعد وہ لوگ کمرہ بند کر کے اپنے اپنے کمرے میں آئے۔

اگلے دن بھی نائلہ نے کالج کی چھٹی کر دی اور ساحل بھی کلینک نہیں گئے ساحل اور نائلہ نے مل کر گھر کا باقی کام بھی نپٹا لیے۔ پورے گھر کی صاف صفائی ہو چکی تھی۔ گھر کیا تھا ایک بڑی شاندار حویلی تھی۔ بشارت صاحب اور نشاط بیگم حویلی کا یہ نیا روپ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

بشارت صاحب ایک قابل جج تھے۔ ان کی بیوی نشاط بیگم والدین کی اکلوتی ہونے کے باعث ان کی لاکھوں کی پراپرٹی کی وارث تھیں۔ بشارت صاحب کی تین اولادیں تھیں۔ بڑا بیٹا ایقان جو انجینیر ہے اور وہ کئی برسوں سے سویزرلینڈ میں سروس کر رہا ہے۔ چھوٹا بیٹا ساحل ڈاکٹر ہے۔ اور ان دونوں سے چھوٹی ہے نائلہ جو بی۔ اے کر رہی ہے۔

ایک اور صبح آ گئی۔ صبح تو یہ بھی عام صبحوں جیسی ہی تھی لیکن بشارت صاحب کی فیملی اور ایقان کے لئے بہت خاص تھی۔ ایقان نے اپنے سب دوستوں کو الوداع کہا اور ہوائی جہاز میں پہنچا وہ آج بہت خوش تھا اور کیوں نہ ہو آخر چار سال بعد اپنے وطن ہندوستان جو جا رہا تھا۔

ہوائی جہاز سر زمینِ سویز رلینڈ سے پرواز کر چکا تھا۔ وہ رات بھر سامان پیاک کرنے کی وجہ سے سو نہ سکا تھا۔ اس لئے ہوائی جہاز کے اُڑتے ہی اسے نیند آ گئی۔

تقریباً وہ ایک گھنٹے بعد نیند سے جاگا تو اُسے اپنے گاؤں کی یادیں ستانے لگی۔ وہ بچپن، وہ طالب علمی کا دور، وہ کھیل کھود یاد آئے۔

لیکن وہ اُسے بھی کیسے بھول سکتا تھا جو اُس کی بچپن کی محبت تھی۔ وہ ان ہی یادوں کی گہرائی میں پہنچ چکا تھا۔۔۔

کتنی حسین تھی وہ۔ اُس کی سادگی اُس کی وہ مسکراہٹ وہ خاموشی اُسے اور بھی حسین بنا دیتے۔ میں جب بھی اُس کے معصوم سے چہرے کو دیکھتا تو دل میں ایک ہلچل سی ہونے لگتی۔ اور وہ مجھے دیکھے بغیر ہی کہدیتی۔ ''مجھے کوئی بھی نہیں دیکھنا۔'' پتہ نہیں اُسے کیسے معلوم ہو جاتا کہ میں اُسے دیکھ رہا ہوں۔ اس لئے میں نے اس کا نام سنسر **(Sensor)** رکھ چھوڑا تھا۔

اُس لڑکی کے اخلاق بھی بہت اچھے تھے۔ وہ کبھی سر سے ڈوپٹہ تک ہٹنے نہیں دیتی۔ شاید یہ بھی ایک وجہ تھی کہ میں اُسے چاہنے لگا تھا۔ میں جب بھی اُس کے سامنے ہوتا تو وہ میرے سامنے سے چلی جاتی۔ میں اُس سے بات کرنا چاہتا مگر وہ مجھ سے بات کرنا نہیں چاہتی ۔ کہنے کو تو وہ میری کزن تھی مگر اُس نے رویہ غیروں کا اپنا رکھا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر وہ ناراض ہو جاتی تھی۔ اسی لئے میں نے اُس سے اپنی محبت کا اظہار

تک نہیں کیا۔ ڈرتا تھا اگر وہ خفا ہو جائے تو۔ ویسے میں نے مذاق میں کئی بار اظہار کیا وہ ہر بار خفا ہو گئی تھی۔ اسی لئے میں نے حقیقت اپنے ہی دل میں دبا رکھی تھی۔

مجھے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔ جب میں تعطیلات گزارنے کے لئے ہاسٹل سے اپنے گاؤں منالی (Manali) پہنچا۔ وہاں پر ایسے لگ رہا تھا جیسے مجھے قید میں رکھا گیا ہے۔ میں ایک دن تنہائی میں اُسے یاد کر رہا تھا۔

سوچ رہا تھا یہ گاؤں، یہ جھیل، یہ پہاڑیاں کتنے بے جان لگ رہے ہیں۔ کاش وہ اگر یہاں ہوتی تو ان قدرتی مناظر کا رنگ روپ ہی بدل جاتا۔

بس میں اُسے یاد ہی کر رہا تھا کہ وہ لوگ آ گئے۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ لائٹ گرین سوٹ میں بہت ہی حسین لگ رہی تھی۔ مجھ سے رہا نہ گیا میں نے بے خودی میں یہ شعر کہہ دیا۔

"یہ جو آپ کے جلوے یوں نمودار ہیں
ایسا لگتا ہے جیسے یہ قیامت کے آثار ہیں"

وہ مجھے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ میں بہت حیران تھا اُس کی خوبصورتی پر اور میرے شعر پر۔ میں نہیں جانتا میں نے یہ شعر کیسے کہہ دیا۔ میں شاعری سے تو بلکل ناواقف تھا۔ پھر پتہ نہیں کیسے مجھ سے یہ شعر ظاہر ہوا۔ یہ میری زندگی کا پہلا شعر تھا۔

میں نے کئی بار اُسے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا اور جب کبھی وہ بیٹھ جاتی تو میں اُسے دیکھ کر غزل لکھنے لگتا اور غزل اتنی بہترین لکھی جاتی کہ پڑھنے والے بس پڑھتے ہی رہ جاتے۔ واقعی اُس میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے مجھے شاعر بنا دیا۔ ایک دن جب گھر میں کسی کی شادی کا موقع تھا۔ میں نے اُس لڑکی سے ضد کی کہ وہ میرے ہاتھ پر بھی مہندی لگائے۔ وہ مہندی کے ڈیزائن بہت خوب بناتی تھی۔ میرے بہت ضد کرنے پر اُس نے میرے ہاتھ کے

ایک کونے میں ایک چھوٹا پیارا سا دل بنا دیا۔ اور میں نے اُس دل کو کبھی مٹنے نہ دیا۔ میں ہر پندرہ دن میں اُس مہندی سے بنے دل پر مہندی لگا دیتا تا کہ وہ دل مٹ نہ سکے۔ اس دل کا رنگ اب بہت ہی سرخ ہو چکا تھا۔

مدتوں پہلے اُسے دیکھا تھا۔ نجانے اب وہ کیسی ہوگی؟ کہاں ہوگی؟

میں اب اُس سے مل پاؤں گا بھی یا نہیں؟ وہ مجھے پہچانے گی یا نہیں؟

وہ ان ہی خیالوں میں گم تھا کہ ہوائی جہاز بنگلور ایر پورٹ پر پہنچا اور وہ خیالوں سے باہر نکل کر اپنا سامان سمٹنے لگا۔ وہ اپنا سارا سامان لیکر ہوائی جہاز سے باہر آیا تو اپنے بھائی ساحل کو پا کر بے حد خوش ہوا اور وہ دونوں کار میں بیٹھ کر منالی کے لئے روانہ ہوئے۔

منالی ایک گاؤں تھا۔ بنگلور سے تقریباً 30 کلومیٹر کے فاصلے پر۔ وہ تھا تو ایک چھوٹا سا گاؤں مگر وہاں کے نظارے قابل دید ہوتے تھے۔ ایسا لگتا جیسے خدا نے اس گاؤں کو خوب رونق بخشی ہے۔

ساحل اور ایقان باتیں کئے جا رہے تھے۔ موسم سرد تھا۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ گھٹائیں چھا گیں تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی تیز بارش ہونے والی ہے۔ پہاڑوں پر ہلکی سی برف باری ہو رہی تھی۔ ہر سمت سر سبز و شاداب کھیت۔ ہر طرف ہریالی، گھنے پیڑ، جھرنا چشمے سب پانی سے لبریز تھے ایسے میں پرندوں کی آسمان پر اُڑان ایسا لگ رہا جیسے بہار کا موسم ہو۔ دن ڈھل کر شام کا لبادہ اوڑھ چکا تھا شام بھی ڈوبنے ہی والی تھی کہ کار حویلی کے سامنے جا رُکی۔

"لگتا ہے وہ لوگ آ گئے"۔ نائلہ کھڑی ہوگئی۔ نشاط بیگم فوراً باہر کی طرف لپکیں۔ بشارت صاحب، نائلہ ان کے ہمراہ تھے۔ وہ لوگ باہر آئے ساحل اور ایقان گاڑی سے اُتر چکے تھے۔ ایقان نے سیاہ پینٹ، نیلی شرٹ پہن رکھی تھی۔ چہرے پر بلا کی کشش تھی۔ نشاط بیگم اُسے دیکھتی رہ گئیں۔ ایقان نے قدم بڑھائے۔

''امی جان۔۔۔۔۔۔۔اسلام وعلیکم۔۔۔!''

''جیتے رہو بیٹے''۔نشاط بیگم نے ایقان کو سینے سے لگا لیا۔نشاط بیگم سے الگ ہو کر ایقان بشارت صاحب اور نائلہ سے ملا۔

''نائلہ کیسی ہو تم''۔ایقان نے بڑھ کر بہن کے ہاتھوں کو تھام لیا۔نائلہ پہلے تو بھائی کے سینے سے لگی اور الگ ہوتے ہوئے جواب دیا۔۔۔۔۔۔

''ایک دم اچھی۔بھیا۔۔۔۔۔۔مغرب کی آب و ہوا آپ کو سوٹ کر گئی کافی نکھر گئے ہو''۔

''اگر ایسا ہے تو اس مرتبہ تم بھی میرے ساتھ چلو واپس آئیں تو آپ کے چہرے پر بھی گلابوں کی کھلن ہو گئی''۔

سبھی ہنس پڑے اور نشاط بیگم آگے آ کر بولیں:''تم سب یہیں کھڑے رہو گے یا اندر بھی چلو گے''۔

''آیئے بھیا''نائلہ ایقان کا ہاتھ پکڑ کر اندر کو چلی اور ان کے پیچھے باقی سب لوگ بھی بڑھے۔

ساحل دو بھاری بڑے بریف کیس دونوں ہاتھوں اُٹھائے ایقان کے کمرے میں پہنچا۔ایقان نے اپنے کمرے کا جائزہ لیا اور کمر پر دونوں ہاتھ ٹکا کر برجستہ کہنے لگا''ضرور یہ نائلہ کا ہی کمال ہوگا''۔

''جی ہاں بھیا یہ سب کچھ نائلہ ہی کیا ہے''۔ساحل بول پڑا۔''بہت خوب۔ایسا کام تو صرف نائلہ ہی کر سکتی ہے''۔ایقان نے تعریف کی۔

''مجھے پتہ تھا بھیا۔۔۔۔آپ کو کمرے کا ڈیکوریشن پسند آئے گا''۔

''نائلہ میں ابھی فریش ہو کر آتا ہوں پھر تفصیل سے باتیں کریں گے''۔

''جی بھیا''نائلہ پھر رُکی نہیں چھپاک سے کمرے کے باہر چلی گئی اور ساحل بھی ایقان کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ایقان نے بیاگ کھول کر کپڑے لئے اور باتھ روم میں چلا گیا۔

ایقان فریش ہو کر آیا تو سبھی لوگ میں بیٹھے تھے۔ساحل نے ایک طرف ہوتے ایقان کے لئے جگہ بنائی لیکن نشاط بیگم بول اُٹھیں:

''ایقان۔ یہاں میرے پاس آکر بیٹھو''۔

ایقان ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ نائلہ اُٹھی اور سب کے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ چائے پیتے ہوئے ایقان نے رشتے داروں کی خیریت دریافت کی۔

بشارت صاحب اور نشاط بیگم اُسے سب کے بارے میں بتاتے رہے۔۔۔۔

''حسنہ پھوپھو کہاں ہیں۔؟ وسیم بھائی آج کل کیا کر رہے ہیں۔۔۔۔؟''

''وسیم نے ایم۔ بی۔ اے پاس کر کے اپنے والد کے ساتھ بزنس ٹور پر گیا ہوا ہے۔ حسنہ آج کل حیدرآباد میں ہی ہے''۔ بشارت صاحب نے کہا۔

''ابو حسنہ پھوپھو کے تین لڑکیاں بھی تو ہیں وہ آج کل کہاں مصروف ہیں۔ تقریباً ایک سال قبل نزہت کا خط آیا تھا۔ پھر مجھے کسی نے کوئی خط نہیں لکھا۔'' ایقان نے پوچھا۔

''ایک سال قبل ہی نزہت کی شادی ہوگئی ہے۔ کیا اُس نے تمہیں نہیں بتایا؟'' بشارت صاحب نے جواب دیتے ہوئے سوال پوچھا''۔

''نہیں تو مجھے تو آج ہی معلوم ہو رہا ہے کہ نزہت کی شادی ہو چکی ہے۔''

''بھیا وہ لوگ کل حیدرآباد سے آرہے ہیں آپ ہی اُن سے تفصیل میں بات کیجئے۔ ابھی کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ آپ کھانا کھایئے''۔ نائلہ نے ایقان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''کیا سچ حسنہ پھوپھو اور اُن کی فیملی کل آرہی ہے''۔ ایقان نے تصدیق چاہی۔

''جی بھیا میں نے پرسوں اُنہیں فون کیا تھا''۔ ساحل نے کہا۔

ایقان کچھ سوچنے لگا۔ تو نائلہ نے اُس کے منہ کے سامنے ہاتھ پھیرا۔

''بھیا کن خیالات میں گم ہو گئے''۔

'' کچھ نہیں نائلہ بس یوں ہی۔۔۔۔۔۔ سفر کی وجہ سے تھک گیا ہوں نا اس لئے۔۔۔۔۔۔ صبح بات ہو گی''۔ وہ ہاتھ دھو کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

صبح ایقان کو نائلہ نے آکر جگایا۔ آنکھوں میں نیند کا خمار لیے وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"نائلہ تم نے خواہ مخواہ تکلیف کی میں بس اُٹھنے ہی والا تھا"۔

"میں تو آپ کو نہیں جگاتی لیکن ناشتے پر امی، ابو، ساحل بھیا! آپ کا انتظار کر رہے ہیں"۔

"نائلہ۔۔۔تم ناشتہ اتنے سویرے لگا دیتی ہو"۔ ابھی بھی ایقان کی آنکھیں پوری طرح کھلی نہیں تھیں۔

"جناب! سویرا ہوئے تو کافی دیر ہو چکی ہے۔ ابو باغات کے لئے روانہ ہو رہے ہیں اور ساحل بھیا کلینک کے لئے لیٹ ہو رہے ہیں۔ آپ اُٹھے اور جلدی سے فرش ہو کر ناشتے کے لئے آجایئے"۔

"میں بس دس منٹ میں حاضر ہوتا ہوں"۔ ایقان بستر سے نکلا، نائلہ مسکراتے ہوئے واپس چلی گئی۔

"ایقان نے دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیا اور ناشتے کی میز پر آگیا۔"

"اسلام وعلیکم ابو"

"اسلام وعلیکم امی"

"وعلیکم اسلام۔" انھوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔ ایقان کرسی کھینچ کر نشاط بیگم کے برابر بیٹھ گیا اور ناشتہ شروع کیا۔

"آج تم گھر ہی رُک رہے نا ساحل"۔

"بھیا!۔۔۔معاف کیجئے آج میں کلینک بند نہیں رکھ سکتا۔ وہ بھیا پچھلے دنوں گھر پر ہی تھا نا اس لیے"۔

"میں سمجھتا ہوں میرا بھائی ڈاکٹر جیسے ذمہ دار پیشے میں ہے اور ان میں خلل نہیں ہونا چاہیے۔ تم جاؤ ساحل"۔

"شکریہ بھیا۔۔۔۔۔" ساحل بہت خوش ہو گیا اور ناشتہ ختم کر کے

اُٹھ گیا۔ بشارت صاحب بھی ناشتہ ختم کر چکے تھے۔ کرسی چھوڑ کر وہ ایقان کے پاس آئے اور کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

بیٹے شام کو ملتے ہیں۔ آج میں باغات کی جانب جارہا ہوں۔ دیکھنا ہے کھیتوں پر کتنا کام باقی ہے'' اور پلٹ کر وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر چلے گئے ان کے ساتھ ہی ساحل بھی گھر سے باہر نکل گیا۔

''بھیا آج میں بھی کالج جارہی ہوں''۔

''سمجھا۔۔۔۔ پچھلے دنوں تم بھی گھر میں ہی بیٹھی تھیں''۔

''جی بھیا! وہ آپ کے لئے گھر پر تھی''۔

''ٹھیک ہے جاؤ شام کو جلدی لوٹنا''۔

''جی بھیا''۔ نائلہ بھی میز سے اُٹھ کر چلی گئی۔

سب لوگ چلے گئے تھے۔ کھانے کے بعد وہ نشاط بیگم سے باتیں کرتے ہوئے لان میں بیٹھ گیا۔ دوپہر ہو چکی تھی نشاط بیگم ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے اُٹھ گیں۔ اور ایقان بھی مسجد کو روآنہ ہو گیا۔ نماز کے بعد وہ واپس آیا تو نشاط بیگم کو کام میں الجھی ہوئی پایا۔ وہ لان میں بیٹھ کر کتابیں پڑھنے کی سوچ رہا تھا پھر اُٹھ کر اپنے کمرے سے ایک کتاب لایا۔ کتاب بہت بور تھی ممکن تھا کہ ساعتوں میں اُسے نیند بھی آجاتی اگر کال بیل نہ بجتی تو۔ وہ چونک کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

دروازہ کھولنے پر حسنہ پھوپھو اور سمعیہ تھے۔

''اسلام وعلیکم پھوپھو جان''۔

''واعلیکم اسلام۔ خدا رتمہاری عمر دراز کرے''۔

''امی پھوپھو جان آئے ہیں'' ایقان نے آواز لگائی تو حسنہ پھوپھو خود کچن میں چلی گئی۔

''آداب!'' سمعیہ نے حسنہ پھوپھو جانے کے بعد ایقان کو سلام کیا۔

''آداب۔ کیسی ہیں آپ؟'' ایقان نے پوچھا۔

''جی میں تو بلکل ٹھیک ہوں۔ آپ بتایئے آپ کیسے ہیں؟''

''جیسا بھی ہوں سامنے ہی ہوں''

''ویسے آپ مجھے ٹھیک ہی لگ رہے ہیں''

''ٹھیک ہوں تو ٹھیک ہی لگاؤں گا نا۔ سمعیہ نزہت اور فرح کیوں نہیں آئے''۔

ایقان بے چین نگاہوں سے تلاش کرتا ہوا سمعیہ سے پوچھا۔

''کیوں کہ فرح کے B.Sc کے امتحانات چل رہے ہیں۔ اس لئے وہ نزہت باجی کے ساتھ وہیں پر ہیں۔ امتحانات ختم ہوتے ہی وہ لوگ بھی آجائیں گے۔ ویسے بھی وہ لوگ آبا اور وسیم بھیا کے آنے پر ہی آئیں گے۔'' سمعیہ نے تفصیل بتلائی۔

''اچھا میں اب فریش ہو کر آؤں گی۔''سمعیہ بیاگ اُٹھا کر چلی گئی۔ وہ بھی اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلا گیا۔

شام ہو چکی تھی۔ چڑیوں نے غل مچا رکھا تھا۔ نائلہ کالج سے آئی تو حسنہ پھوپھو اور اپنی ہم عمر سمیعہ کو پا کر بہت خوش ہوئی۔ بشارت صاحب اور ساحل بھی آچکے تھے۔ ساحل ایقان کے کمرے میں جا کر اُسے جگانے لگا۔ ''بھیا شام ہو چکی ہے۔ اب اُٹھو بھی''۔

''ہاں! ساحل نیند میں تو وقت کا پتہ نہیں چلتا''۔ ایقان اُٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ منھ ہاتھ دھو کر وہ لوگ مسجد کو چلے گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کتنا حسین منظر تھا گھر کے سارے لوگ مل کر ایک ساتھ کھا رہے تھے۔ کھانے کے بعد ایقان نے ساحل، نائلہ اور سمعیہ کو اپنے کمرے میں بلوایا اور سویزرلینڈ سے لائی ہوئی چیزیں دینے لگا۔

''ساحل یہ گفٹ پیاک تمہارے لیئے۔ نائلہ یہ جیوالری تمہارے لیئے۔ یہ بہترین گفٹ تمہارے لیئے سمعیہ۔ نائلہ امی کو یہ گفٹ پیاک اور یہ ساڑیاں دے دینا۔ ابو کے لئے گھڑی بھی۔ سمعیہ تم یہ گفٹ پیاک حسنہ پھوپھو کو دے دینا۔ وسیم بھائی، نزہت اور فرح کے لئے بھی گفٹس ہیں اُن لوگوں کو آجانے دو میں ہی دے دوں گا''۔

سب لوگ تحفے پا کر بہت خوش ہوئے۔ تحفے تھے بھی ایسے ہی۔

شاہد صاحب کی چار اولادوں میں سب سے بڑا تھا وسیم جو .M.B.A کرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ بزنس میں تھا۔ شاہد صاحب بھی تو مشہور بزنس مین تھے۔ نزہت ان کی دوسری اولاد مگر بڑی بیٹی تھی اس نے بی۔ ایڈ بھی مکمل نہیں کی تھی کہ اس کی شادی ہو گئی۔ نزہت کے شوہر گلف میں نوکری کر رہے تھے۔ فرح ابھی B.Sc آخری سال کے امتحانات دے رہی تھی اور سمعیہ B.Sc سال اوّل کے امتحانات دے چکی تھی۔ اس طرح حسنہ پھوپھو کی ایک خوشحال فیملی تھی۔

''آپ کیا کر رہے ہو؟'' سمعیہ نے ایقان سے پوچھا۔

''کچھ نہیں اندر آؤ۔۔۔۔۔۔ بیٹھو۔۔۔۔ سوچ رہا تھا کہ کل ابو کے ساتھ باغ جاؤں گا۔ گھر پر دل نہیں لگ رہا ہے۔ سویزرلینڈ سے آئے ہوئے تو پندرہ دن ہو گئے۔ ساحل کلینک کو چلا جاتا ہے، نائلہ کالج کو ابو باغات کی جانب، امی کو حسنہ پھوپھو سے باتیں کرنے سے فرصت ملے تو ہی وہ مجھ سے بات کر سکیں گی۔ اور تم جب سے آئی ہو بس نائلہ کے کمرے میں بیٹھے میگزین یا B.Sc کی کتابیں پڑھتی رہتی ہو۔ آج نجانے کہاں سے فرصت ملی ہو گی تمہیں مجھ سے بات کرنے کے لئے'' ۔وہ مسلسل شکوے کئے جا رہا تھا۔

''جناب میں آپ کے شکوے سننے نہیں آئی ہوں بلکہ یہ کہنے آئی ہوں کہ آپ پسندیدہ ڈش جو میں نے بنائی ہے چل کر کھا لو''۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے''۔ روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

''تو ٹھیک ہے میں بھی نہیں کھاؤں گی۔'' سمعیہ نے بھی ویسے ہی کہا۔

''اچھا چلو''۔ کہتے ہوئے ایقان کمرے سے باہر جانے لگا تبھی سمعیہ کی نظر یہ بیڈ پر پڑی کتاب پر پڑی تو اُس نے کتاب کو اپنے ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ اور ایقان سے اس کتاب کے بارے

میں پوچھنے لگی۔ تو ایقان نے اسے تفصیل بتلائی۔

''یہ کتاب مجھے ایک بار نزہت نے تحفے کے طور پر دی تھی۔ یہ نور جہاں سلیم کی ناول ہے۔ اس کا عنوان ہے''۔ ''پیار کا خون''۔ یہ ناول میں نے آج تک نہیں پڑھی۔ پڑھنا تو بہت چاہا مگر پڑھ ہی نہیں پایا۔ سمعیہ تم ہی اس ناول کو پڑھو میں اب یہ نہیں پڑھنا چاہتا۔۔۔۔۔ خیر چلو میری پسندیدہ ڈش ٹھنڈی نہ ہو جائے''۔ سمعیہ نے وہ کتاب لے لی اور دونوں کمرے سے باہر چلے آئے۔

☆☆☆☆☆☆

سمعیہ کو ایقان اچھا لگنے لگا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ سمعیہ اُسے پسند کرنے لگی تھی۔

''بھیا آپ کچھ دیر کے لئے کمرے سے باہر جائیں کمرے کی صفائی کرنی ہے''۔ نائلہ نے کہا تو ایقان کمرے سے باہر چلا گیا، نائلہ نے پلنگ پر پڑی بیڈشیٹ بدلنا چاہا پھر پورے کمرے کی صفائی کے بعد وہ بیڈشیٹ کی طرف آئی۔ تکیے اُٹھا کر صوفے پر پھینکے اور ایک تکیے کے نیچے سمعیہ کی ایک تصویر ملی وہ حیرت میں پڑ گئی۔ اس کے بعد اس نے بیڈشیٹ بدلی اور میلی بیڈشیٹ کے ساتھ میلے کپڑے لے کر بھائی پر شوخ سی نظر ڈال کر کمرے سے باہر آ گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر بیٹھی ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھی تک پھیلی ہوئی تھی۔ سمعیہ جو آئینے کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش کر رہی تھی۔ آئینے میں نائلہ کو دیکھ کر بولی۔ ''کیا ہوا نائلہ بہت مسکرا رہی ہو؟''

''ابھی میں بھیا کے کمرے سے آ رہی ہوں''۔

''تم کہاں سے آئی رہی ہو یہ تو میں نے نہیں پوچھا۔ میں تو پوچھ رہی ہوں کہ تم مسکرا کیوں رہی ہو''۔ سمعیہ برش سنگھار میز پر ڈال کر نائلہ

کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''سمعیہ ۔۔۔۔۔ بھیا عشق کی اُس منزل پر ہیں جہاں پہنچ کر عاشق، محبوب کے خیال کے ساتھ سوتا ہے۔ محبوب کے خیال کے ساتھ جاگتا ہے۔''

''نائلہ ۔۔۔۔۔ یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟'' حیا میں گندھے لفظ سمعیہ کی زبان سے ادا ہوئے۔ نائلہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی:

''ابھی کچھ دیر پہلے جب میں بھیا کے کمرے کی بیڈ شیٹ بدل رہی تھی تو تکیے کے نیچے تمہاری ایک تصویر ملی۔ بھیا کے آنے پر میں نے وہیں رکھدی''۔

نائلہ سمعیہ کے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ سمعیہ کو خیالوں میں گم پا کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے بولی:

''ہیلو ۔۔۔۔۔!''

سمعیہ چونکی اور شرماتے ہوئے کہا'' یہ میں جانتی ہوں''۔

''اچھا جی ۔۔۔۔۔! چوری چوری تصویر بھیا کے حوالے کر دی اور مجھے ہوا تک نہ لگنے دی''۔

نائلہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس کے بعد دیر تک سمیعہ کو ایقان کے حوالے سے چھیڑتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆

ایقان کو سویزرلینڈ سے آئے ہوئے مہینہ ہو گیا۔ وہ اُسے دیکھنے کو بہت بے چین تھا۔ جو اُس کی بچپن کی محبت تھی۔ اُس کو اس کے آنے کی کوئی خبر تو نہیں تھی لیکن اُمید ضرور تھی۔

''دو چار اُمیدوں کے دیئے اب بھی ہیں روشن
یادوں کی حویلی ابھی ویران نہیں ہے۔''

ایقان یہی سوچتے ہوئے لان میں ٹہل رہا تھا کہ باہر گاڑی کے رُکنے کی آواز آئی تو ایقان حویلی کے باہر نکل آیا۔

وسیم، نزہت اور فرح آئے تھے۔ وسیم گاڑی میں سے سامان

نکال رہا تھا۔ نزہت اور فرح حویلی کی جانب مڑے۔ ایقان سے مل کر وہ لوگ اندر چلے گئے۔ وسیم اور ایقان بھی سامان لیکر اندر چلے آئے۔

''پھوپھا جان کیوں نہیں اۓ وسیم بھائی؟'' ایقان نے سوال اُبھارا

''ہاں کچھ کام سے رُکے ہیں چند دنوں بعد آجائیں گے۔۔۔۔۔گھر میں کوئی نظر نہیں آرہا ہے۔ کہاں گئے سب لوگ؟'' وسیم نے جواب دیتے ہوئے سوال کیا۔

'' آج اتوار ہے سب لوگ باغ گئے ہوئے ہیں۔ میری طبیعت کچھ ناساز رہنے کی وجہ سے میں جانہ سکا۔'' ایقان نے تفصیل بتلائی تو وسیم بھی گاڑی لیکر باغ کی جانب روانہ ہوگیا۔

ایقان ایک کمرے میں گیا جہاں نزہت اور فرح تھے۔ وہ نزہت سے مخاطب ہوا

''تم کیسی دوست ہو نزہت۔ تم نے تو وعدہ کیا تھا کہ تم میری شادی سے پہلے شادی نہیں کروگی پھر تم نے شادی کیسے کی؟ تم تو بچپن کی دوست تھی اگر شادی بھی کی تو مجھے بتاے بغیر۔ تم تو دھوکے باز ہو یار؟''

''ایقان میں دھوکے باز نہیں ہوں۔ سب کچھ اتنا جلدی ہوگیا کہ بتانے کی فرصت ہی نہیں ملی''۔ نزہت نے صفائی پیش کی۔

''خیر جانے دو۔۔۔۔۔تم میرا وہ کام تو کروگی نا جو تم نے وعدہ کیا ہے''۔

''میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں ایقان؟'' نزہت نے اجازت مانگی

''ٹھیک ہے میں ابھی نماز کے لئے جارہا ہوں آنے کے بعد بتادینا''

ایقان کمرے سے باہر نکل کر مسجد کے لئے روانہ ہوگیا۔

جب واپس آیا تو اس نے ڈاکٹر کو پایا جو نزہت کے اعلاج کے لئے آیا تھا۔ سب لوگ نزہت کے اردگرد بیٹھے تھے۔

''کیا ہوا نزہت؟'' ایقان نے نرمائی سے پوچھا

''کچھ نہیں بس ہلکا سا بخار ہے۔ دوائی لے لیں گی تو کم ہوجائے گا۔

ڈاکٹر احسان کہے اُٹھے۔

آج چار دن بعد نزہت کی طبیعت میں سدھار آیا تو وہ ایقان کے کمرے میں چلی آئی۔ کمرہ خالی تھا۔ جس سے وہ ملنے آئی تھی وہ تو تھا ہی نہیں، اس نے ایک نظر کمرے میں ڈالی۔ بیضوی آئینے والی سنگھار، میز پر شو کا سامان پھیلا پڑا تھا۔ بیڈ کے دوسری جانب بک شیلف میں کتابیں ترتیب سے لگی تھیں۔ ان ڈھیر ساری کتابوں کو دیکھ کر نزہت نے اندازہ لگا لیا کہ ایقان کو مطالعہ کا گہرا شوق ہے۔

ابھی وہ پلٹنے کی سوچ ہی رہی تھی کہ ایقان کمرے میں آپہنچا۔ وہ باتھ روم سے نہا دھو کر آرہا تھا پانی کے قطرے بھرے بھرے گالوں اور ناک پر لرز رہے تھے بالوں کو تولیے سے پونچھتے ہوئے وہ سنگھار میز کی جانب بڑھ گیا۔ نزہت پر اس کی نظر نہیں گئی آئینے میں نزہت کا سراپا دیکھ کر پلٹا۔۔۔۔۔۔

"ارے نزہست۔۔۔۔۔! میں نے تو تمہیں دیکھا ہی نہیں۔ بیٹھو نا۔۔۔۔" وہ خاموشی سے ایک جانب بیٹھ گئی۔

"نزہت۔۔۔۔۔۔خاموش کیوں ہو بھئی؟"

"ایقان میں تم سے اُس روز کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ پائی تھی۔۔۔۔۔۔"

"ہاں! اب بتا دو میں سن رہا ہوں۔"

"برا مت ماننا ایقان، میں آج ایک سچائی بتا نے جارہی ہوں۔ آبا کے ایک بچپن کے دوست ہیں انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے آبا سے فرح کو ما نگا ہے۔ آبا انکار نہ کر سکے۔ میں بھی کچھ نہ کر سکی۔ کوشش تو بہت کی مگر۔۔۔۔۔۔۔۔ پندرہ دن بعد فرح کی سگا ئی ہے۔ مجھے معاف کرنا ایقان۔" یہ سب سنتے ہی ایقان کی آنکھیں نم ہوگیں۔ دل میں ایک کسک سی ہوگئی۔ آنسو بہے جارہے تھے آخر وہ بچپن کی محبت تھی۔ ایقان کا یہ حال نزہت سے دیکھا نہ گیا اور وہ بھی اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اگلے ہی دن صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی شاہد پھوپھا بھی آ گئے۔ حویلی میں رونق بڑھ گئی۔ ہر کوئی اپنے ہم عمروں میں مگن رہتا۔ ہر طرف خوشی چھا گئی تھی۔ مگر ایک دل جوان تمام خوشیوں سے انجان تھا۔ وہ زار زار رو رہا تھا۔ آج ایقان کی سالگرہ تھی۔ اس موقع پر بشارت صاحب نے ایک شاندار پارٹی کا انتظام کیا۔ کئی افراد جمع تھے۔ رات ہونے لگی تو سب لوگ ایک ایک کر کے جانے لگے۔

فرح نے کالا سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ اس میں بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔ کئی نظریں تو اُس پر ہی ٹکی تھیں لیکن ایقان نے ایک نظر کے بعد دوسری نظر اُس پر نہیں ڈالی۔ دل تو بہت چاہ رہا تھا اُس کی دید کرنے کو لیکن پھر خیال آتا کہ وہ کسی اور کی ہے۔ وہ کتنا تڑپ جاتا تھا اُسے ایک نظر دیکھنے کو لیکن بڑی مشکل سے اُس نے اپنے دل کو قابو میں کر رکھا تھا۔ اُس کا درد صرف نزہت ہی سمجھ پا رہی تھی۔

پارٹی کے اگلے ہی دن دوپہر کے وقت نزہت پھر ایقان کے کمرے میں آئی اور تسلی دیتے ہوئے کہنے لگی۔۔۔۔

''ایقان جو ہوا اُسے بھول جاؤ میں جانتی ہوں فرح تمہاری بچپن کی محبت ہے۔ مگر کیا فرح نے اس بات کو سمجھا ہے۔ ایقان زندگی ایک ہی پر تو ختم نہیں ہو جاتی تمہیں فرح سے اچھی لڑکیاں مل جائیں گی۔''

''لیکن کوئی فرح تو نہیں ہو سکتی نا؟'' الفاظ غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''مجھے معاف کر دو ایقان میں تمہاری بچپن کی دوست ہو کر بھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکی۔'' وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔ شاہد صاحب نے اُسے پکارا تو وہ آنکھیں صاف کرتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ سمعیہ نے ایقان اور نزہت کی ساری باتیں سن لی تھیں۔

وہ سیدھا اپنے کمرے میں پہنچی جہاں پر نائلہ سو رہی تھی۔ رات کافی ہو چکی تھی مگر سمعیہ کی آنکھوں سے نیند اُوجھل ہوگئی تھی۔ ایک غم جو اُس پر آن پڑا تھا۔ ایقان کو تو علم بھی نہیں تھا کہ سمعیہ اُسے چاہنے لگی ہے۔ ویسے تو سمعیہ کو بچپن ہی سے ایقان کے لئے منتخب کیا گیا تھا مگر سمعیہ نے محبت کرنے کی غلطی بھی کرلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج اس کا دل ٹوٹ کر ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ سمعیہ کی آنکھیں کب بھیگنے لگیں اُسے کچھ خبر ہی نہیں ہوئی۔ سمعیہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر ہتھیلیوں کی پشت کو چھوتے ہوئے کپڑوں میں جذب ہوتے رہے اور وہ خلاؤں میں تکتے ہوئی اپنی ناکام ایک طرفہ محبت پر آنسو بہاتی رہی۔

''ایقان میں آپ کو دوش بھی تو نہیں دے سکتی کیوں کہ آپ نے کبھی مجھ سے محبت کی ہی نہیں۔ وہ تو میں نادان جانے کیوں سمجھ بیٹھی کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ کاش! ایقان آپ نے شروع میں ہی اس حقیقت کا انکشاف کردیا ہوتا کہ آپ کسی اور کو چاہتے ہیں تو میں خود کو آپ کے جانب جھکنے سے روک لیتی''۔ وہ مسلسل سوچتے ہوئے روئے جا رہی تھی اُسے سمجھانے والا کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆

آج ساحل کے ضد کرنے پر سب لوگ باغ گئے۔ کچھ چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے تو کچھ چہروں پر اُداسیوں کے بادل تھے۔

''کیا ہوا فرح سب ٹھیک تو ہے''۔ نزہت فرح کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی جو ایقان کے ہاتھ پر پٹی باندھ رہی تھی۔

''پتہ نہیں ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا تو میں نے پٹی باندھ دی۔ آپ ہی پوچھ لیجیے باجی۔'' فرح جواب دیکر وہاں سے چلی گئی۔

"کیا ہوا ایقان؟" نزہت نے مختصر پوچھا۔
"کچھ نہیں اپنے ہاتھ سے اُس دل کو نکال پھینکا جو ہر دم مجھے محبت کا احساس دلاتا تھا"۔ ایقان کے جواب پر نزہت پریشان سی ہو گئی۔

سب لوگ باغ میں دوپہر کے کھانا کے وقت بیٹھے تھے کہ ایقان کہنے لگا۔۔۔

"ابو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اگر مجھے اجازت ہو؟"

"ہاں بولو بیٹے کیا بات ہے؟" بشارت صاحب نے اجازت دے دی۔

"ابو میں کل کی فلائیٹ سے سویز رلینڈ جا رہا ہوں"۔ اُس کے اس جواب پر سب کو حیرت ہوئی۔

اچانک شاہد صاحب کہہ اُٹھے۔۔۔

"تمہاری چھوٹیاں تو ابھی باقی ہے کچھ دن اور رُک جاتے تو۔۔۔۔"

"معاف کیجئے پھوپھا میں نہیں رکوں گا اور مہربانی فرما کر کوئی بھی مجھ سے جانے کی وجہ مت پوچھیں"۔ سب افسردہ ہو گئے تو وہ اُٹھ کر چلا آیا۔

باغ سے واپس آکر اُس نے سامان پیاک کر لیا پھر فرح کے کمرے میں گیا جہاں نزہت اور فرح تھے۔

"نزہت میں یہ تحفے دینے آیا تھا جو تمہارے اور وسیم بھائی کے لئے ہیں"۔ نزہت نے تحفے لے لیئے تو فرح کہنے لگی۔۔۔۔ "کچھ دن اور رُک جاتے تو۔۔۔۔۔"

"فرح آپ کہہ رہی ہیں تو رُک تو جاتا مگر حالات ایسے ہیں کہ اگر ایک دن بھی یہاں رہا تو موت ہی آجائے گی۔ ویسے ایک شعر سنو گی"۔

"جی فرمایئے!" فرح نے خواہش ظاہر کی۔

"ایک محبت نے ہی ڈوبا دیا سرِ شام مجھے
میں ڈوب بھی گیا تو خبر تمہیں نہ ہوئی"

وہ شعر کہنے کے بعد کمرے کے باہر نکل گیا تھا۔ فرح سوچ میں ڈوب گئی کہ "ایقان نے زندگی میں پہلی بار ایسا شعر کہا۔ مگر کیوں؟ کیا وہ کسی کشمکش میں مبتلا ہیں؟" وہ اپنے خیالات سے اُس شعر کا جواب ڈھونڈنا چاہتی تھی۔ مگر وہ ناکام رہی۔

صبح سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ایقان تیار ہو گیا اور ساحل نے جانے کا انتظام بھی کر دیا تھا۔ نائلہ اور نزہت نے روکنے کی کوشش بھی کی مگر ناکام رہی۔ نشاط بیگم اور بشارت صاحب بھی خاموش تھے۔ حسنہ پھوپھو، شاہد صاحب وسیم بھائی، فرح، سمعیہ سب کھڑے تھے۔ ایقان نے مسکرا کر سب پر الوداعی نظر ڈالی تو نزہت کہنے لگی: ''ایقان اتنے غموں میں بھی تمہارے لبوں پر تبسم''

جواب میں ایقان نے شعر کہا۔

''ہجوم غم میری فطرت کو بدل نہیں سکتا

میں کیا کروں میری عادت ہے مسکرانے کی''

وہ گاڑی میں پہنچ کر سب سے خدا حافظ کہہ رہا تھا اور سمعیہ کے دل سے آواز نکلی۔۔۔۔''ہو سکے تو میری دعائیں ساتھ لیتے جاؤ''۔

ایقان کی تو قسمت اُس سے ایسی روٹھی تھی کہ وہ سویزرلینڈ میں قدم رکھتے ہی ایک گاڑی سے حادثے کا شکار ہو گیا۔ اور کچھ دیر تک تکلیف میں رہنے کے بعد جاں بہ حق ہو گیا۔

جب بشارت صاحب اور اُن کی فیملی کو اس بات کی خبر ہوئی تو ساری حویلی میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ کوئی بھی اپنے آپ میں نہیں تھا۔ نزہت نے فرح کو ساری حقیقت بتادی تو فرح کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ یہ مقدس آنسو تھے جو محبت میں بہے تھے۔ اُس کے اِن آنسوؤں سے کئی دل پگھل رہے تھے۔ فرح اب خود کو کوسنے لگی تھی۔ ''میں ایقان کی پاکیزہ محبت کو سمجھ نہیں پائی'' اُدھر ساحل، نائلہ پر بہت بھاری غم کا بوجھ تھا۔ اُن کا چہیتا بھائی جو اس دنیا سے چلا گیا تھا۔ سمعیہ تو کئی بار ہوش کھو چکی تھی۔ نشاط بیگم حسنہ پھوپھو کا غم کسی سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ کوئی کسی کو کیا تسلی دیتا سب پر غموں نے پہرا رکھا تھا۔ آج حویلی ویران ہو چکی تھی۔

"اس دفعہ ساون میں بس تیری ہی یاد کے بادل رہے
اس دفعہ میں بھی خوب رویا ان بارشوں کے ساتھ"



سید بلالؔ کی کتاب "یادیں" کی بے حد مقبولیت کے بعد پیش ہے ایک اور نادر و نایاب غزلوں کا مجموعہ سید بلالؔ کے قلم سے "خوشبو"۔

اس کتاب میں ایسی بہترین غزلیں لکھی گئی ہیں جو پر لطف ہونے کے ساتھ ساتھ کافی خوبیاں پوسیدہ رکھتی ہیں۔

سید بلالؔ کی یہ بہترین کتاب "خوشبو" بہت ہی جلد آپ لوگوں کے سامنے ہوگی۔ بلالؔ کی غزلیں اور ناول ہماری ویب سائیٹ سے بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

www.mfproductions.com

ناز بک سپلائی کمپنی ، دریاگنج دھلی